ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی*

بعثت نبوی سے متعلق حضرت عیسیٰ کی بشارت

انسانوں کی ہدایت اور دنیا میں اللہ کے احکام کو جاری وساری کرنے کے لیے بے شمار انبیا اور رسل بھیجے گئے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے بھیجنے کا جو اہتمام کیا گیا اور آپ ﷺ کے جو اوصاف وامتیازات آنے سے قبل یہود ونصاریٰ کے سامنے بیان کیے گئے، آپ ﷺ سے قبل کسی رسول اور نبی کے لیے ایسے خاص اہتمام کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ عصر حاضر کے تناظر میں یہ بات ایسی ہی ہے کہ کمپنیاں اپنی مصنوعات کو پیش کرنے کے لیے اس کے اشتہار پر بے پناہ قوت اور زرِ کثیر صرف کرتی ہیں۔ اس کے ایک ایک کل پرزے پر پبلک کی توجہ مرکوز کرانا چاہتی ہیں، تاکہ وہ مقام اعتبار اور مرکز التفات بن سکے۔ یہی سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس اعلان میں ہے، جسے قرآن کریم میں یوں نقل کیا گیا ہے:

ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (۱)

اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی تمہیں خوش خبری سنانے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

یہاں ''مبشر'' کے لفظ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بشارت کسی ایسی چیز کی دی جاتی ہے جس میں طمانیت وسکینت ہو، جسے سن کر انسان باغ باغ ہوجائے اور اس بشارت میں اسے اپنا اقبال اور اپنا خوب صورت مستقبل نظر آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ایسی ہی پُرکشش اور باعث اشتیاق تھی۔ علامہ شبلی نے اس کی کیا ہی خوب صورت تصویر کشی کی ہے۔

آپ ﷺ کی آمد پریشان زدہ عربوں کے لیے فصل گل سے زیادہ کچھ اور تھی ان کی باہمی مخاصمت، قتل وغارت گری اور نفرت وتعصب کا زور نہ صرف کم ہوا بل کہ تھم گیا۔ وہ عرب شرک وکفر

---

* شعبۂ عربی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

میں غرق تھے اس بعثتِ بے مثال نے اُنھیں اس دَل دَل اور نجاست سے نجات دی۔ اس بشارت کا تعلق اقتصادیات اور دینیات دونوں سے ہے۔ گویا انسانوں کو دین و دنیا دونوں ملے۔ بعثتِ نبوی مادی اور روحانی دونوں زاویوں سے باعث رحمت ہے۔ علامہ شبلی نے بعثتِ نبوی کی نیرنگیوں کو یوں ضبطِ تحریر کیا ہے:

چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئی ہیں۔

ولادت: لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کردیے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضاوقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم، جمالِ یوسف، معجز طرازیِ موسیٰ، جان نوازیِ مسیح، سب اسی لیے تھے۔ یہ متاع ہائے گراں ارز شاہنشاہ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ رخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں ہل کہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں ہل کہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آزر کدۂ گم رہی سرد ہوکر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کی اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔ (۲)

یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ایک واضح مفہوم یہ ہے کہ اس کے بعد یہودیت وعیسائیت کا سلسلہ ختم ہوا ان دونوں مذاہب کی تمام خوبیاں دین اسلام

میں سمٹ آئیں، کیوں کہ یہودیت وعیسائیت میں وہ آفاقیت وعالم گیریت نہیں جو اسلام میں ہے۔ دین قیم کا یہی مطلب ہے۔ اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۳)

یقیناً یہ قرآن اس راہ کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

اس بشارت کی ابدی عافیت ومنفعت رہتی دنیا تک تمام خطوں کے انسانوں کے لیے ہے۔ اس عالمی بشارت سے رنگ ونسل اور وطنیت وعلاقیت کے تصور کا خاتمہ ہوا۔ رسالتِ محمدی، برتریت وکہتریت کے لیے تیشہ زن ثابت ہوئی۔ قرآن کریم میں یہ واضح لفظوں میں صراحت ہے کہ افضل واسفل کی اصل بنیاد تقویٰ ہے۔ اسی معیار ومیزان کی بنیاد پر کسی کو احقر تو کسی کو افضل قرار دیا جائے۔ اس ضابطۂ ربانی کے سبب یہودیت وعیسائیت نے اس بشارت کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا، چوں کہ یہود ونصاریٰ کے خیال میں وہ اللہ کے سب سے چہیتے بندے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (۴)

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

اخروی کام یابی ان کا مقدر ہے ان کے حق میں آگ کا فیصلہ ہوا بھی تو وہ چند روزہ ہوگا۔ وہ برتر ہیں، ان کا کسی سے مقابلہ نہیں۔ ان ہی مزعومات وموہومات میں وہ جی رہے تھے۔ یہ عداوت وشناعت اس قدر شدید تھی کہ قرآن کو ان کے اس ذہنی فساد کو اس اسلوب میں بیان کرنا پڑا:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (۵)

آپ ﷺ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ﷺ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔

استشراق اسی کا شاخسانہ ہے۔ استشراق کی اصل بنیاد اسی دن پڑ گئی تھی جس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بین الاقوامی بشارت کا اعلان کیا تھا۔ تب سے مستقلاً یہ استشراقی کاوشیں جاری ہیں کہ کن کن طریقوں سے قرآن کریم کی ابدیت اور تحفظیت کو نقصان پہنچایا جائے۔ آں حضور ﷺ پر ایسے مرض کا الزام عائد کیا گیا صرف اس لیے کہ جس کی وجہ سے دین اسلام مشکوک وموہوم بن جائے۔ مستشرقین نے قرآن کریم کو کلام الرسول قرار دینے کی ہزار ہا کوششیں کیں لیکن ان کی یہ کاوشیں ثمر بار نہ ہوسکیں۔ قرآن کریم کے تصور جہاد کو لے کر آپ ﷺ کو نشانہ بنایا گیا، لیکن

استشراق کو منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ کے رسول ﷺ پر پیہم الزامات لگتے رہے لیکن یہاں بھی انھیں کامیابی نہ ملی، کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ نے خود بتادیا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٦﴾

تمہارے لیے تمہارے آوازے کو بلند کردیا۔

ایک زمانے سے اس وقعت نبوت کو ڈھانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن ان کی ساری کارپردازیاں بے سود ثابت ہوئیں۔ ساری حدود و بندشوں کے باوجود اس بشارت و رسالت کی رغبت وکشش کم نہ ہوسکی۔ ہر وقت اسلام کی آغوش میں آنے کا سلسلہ جاری رہا اور جاری ہے۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ::

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٧﴾

کا یہی مفہوم ہے کہ بندگان خدا اس کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہورہے ہیں اور آئندہ دنوں میں بھی داخل ہوتے رہیں گے جیسا کہ عصر حاضر میں قبولیت اسلام کے تعلق سے دیار مغرب کی یہی تصویر ہے۔

اس استشراق کی یہ مسلسل سازش رہی ہے کہ اسلام کے انقلابی پہلوؤں کو دبایا جائے۔ اس کے تصور ریاست اور نظام حکومت کو پردہ خفا میں رہنے دیا جائے۔ اسے دینِ صلح کل کی صورت میں پیش کیا جائے۔ محض عبادات وتسبیحات کا دین بتایا جائے جب کہ دین اسلام کا یہ نعرہ ہے:

لا رهبانية في الاسلام

اسلام میں معاشرتی بے زاری کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ عیسائیت کی کوہ قیامی کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ (٨)

ان کے بعد پھر بھی ہم نے اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسی بن مریم کو بھیجا اور انھیں انجیل عطا فرمایا اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت

ورحم پیدا کر دیا ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی۔ ہم نے ان پر اسے واجب نہ کیا تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے، سو انھوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں دین اسلام کا یہی تصور پیش کیا ہے۔ جب کہ معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی مختلف تصانیف کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آں حضور ﷺ ایک دینی قائد اور سیاسی سربراہ بھی ہیں۔ قیادت اسلامی کا تعلق دین و دنیا دونوں سے ہے۔ مستشرقین کی پیہم جدوجہد رہی ہے کہ بشارت عیسیٰ کو بے معنی بنایا جائے کہ وہ دنیا کے تمام مراحل میں ہماری نمائندگی کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن حقیقت کو چھپانا ممکن نہیں۔ یہ بشارت ایک عین الیقین اور یہ رسالت ایک حق الیقین ہے جسے پس پشت ڈالا نہیں جا سکتا۔ مستشرقین نے ہزاروں صفحے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ بشارت کے خلاف سیاہ کیے، لیکن ان کی یہ تمام تر خامہ فرسائیاں اکارت گئیں۔ بل کہ کتنوں کے لیے آغوشِ اسلام میں آنے کا ذریعہ بنیں۔ مورلس بکائے کو اسی حقانیت نے قبول اسلام کے لیے مجبور کیا اور مریم جمیلہ کی بھی یہی داستانِ حقیقت ہے۔

اس وقت پوری دنیا تشدد، تنفر، فساد فی الارض اور ناامیدیوں کے گھیرے میں ہے۔ اس ظلمت و بربریت میں اگر کوئی چیز درد کا درماں بن سکتی ہے تو صرف یہی بشارت و رسالت۔ اسی لیے اس بشارت کی تشریح قرآن کریم میں اس انداز سے کی گئی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (۹)

اور ہم نے تمھیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس رسالت کا مقصد اولیں یہی ہے کہ دنیا میں امن و سکون کا قیام ہو۔ آپ ﷺ کی آمد مبارک تمام دنیا کے لیے باعث رحمت ہے۔ بشارت کا یہ ایک بنیادی پیغام ہے۔ آپ کو صرف ملت اسلامیہ کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ نبوت کی برکات و عنایات کا مستحق ہر فرد انسانی ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ اس کی رحمتیں ساری دنیا کے لیے ہیں۔ یہ نبوت دنیا کے ہر خطے پر دستک دیتی ہے۔ انھیں عبودیت الٰہ کی دعوت دیتی ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

تا کہ دنیاوی آقاؤں کی غلامی سے لوگوں کو نجات ملے۔ سرسید نے ''ابطال غلامی'' اور سعید اکبرآبادی نے غلامی کے جنگ چھیڑنے کا اسلامی کردار پیش کیا ہے۔ آں حضور ﷺ نے مختلف سلاطین اور سربراہان کو خطوط ارسال کیے کہ اللہ کے دین رحمت میں آجاؤ۔ نماز، روزہ اور حج کی ادائیگی کو اپنا شعار بنالو۔ اگر تم ایسا کرتے ہو تو اسلامی ریاست تمہارے اقتدار کو کچھ شرائط کے ساتھ باقی رکھے گی۔ کچھ سلاطین نے اسلام کو قبول کیا اور شرائط کے ساتھ اپنی وفاداری کو ثابت کیا۔ اور کچھ نے اپنے زعم باطل میں خطوط مقدسہ کو پھاڑ دیے، جس کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے بددعائیں دیں تو ان کی ریاست تباہ و برباد ہوگئی۔ گویا یہ عیسوی بشارت ان کے لیے باعث امن ہے جو اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور جو اس سے جنگ پر آمادہ ہوئے اس نے ان کو خاک آلودہ کردیا اور شکست و ہزیمت ان کا نوشتہ تقدیر بن گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی یہ بشارت ایک امانت ہے۔ دنیا کے تمام لوگ اس کے امین ہیں بالخصوص امت مسلمہ کی اس تعلق سے زیادہ ذمے داری ہے کہ کیا وہ اس اقامت کے مطالبات کو پورا کر رہی ہے۔ سب سے پہلی ذمے داری یہ ہے کہ اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جس مواخاۃ کی بنیاد ڈالی تھی کیا وہ برقرار ہے۔ قرآن کریم میں اسی امت کو ''بنیان مرصوص'' سے تعبیر کیا گیا ہے تو کیا اپنے اس خطاب کو باقی رکھنے میں وہ کامیاب ہے۔ یقینی طور سے جواب نفی میں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول کو الگ الگ انداز سے دیکھا ہے۔ ایک طبقے کا یہی خیال ہے کہ جس کا اظہار حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد واضح الفاظ میں کہا تھا کہ آپ ﷺ دنیا سے جاچکے ہیں۔ اللہ باقی ہے اور اس کی عبادت باقی رہے گی۔ کیوں کہ اللہ نے خود اپنے باب میں صراحت کردی ہے:

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (۱۰)

کیا اس کے بعد بھی کسی کی عبادت زیب دیتی ہے۔ اسی تصور کو قرآن کریم میں اس طرح بھی پیش کیا گیا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ (۱۱)

اور محمد صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عن قریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

اسی آیت کریمہ کے تناظر میں حضرت عمرؓ کے جذبات کو قابو کیا گیا۔ گویا قرآن کریم نے صاف بتادیا ہے کہ عام انسانوں کی طرح آپ ﷺ دنیا سے جا چکے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ جب تک اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول میں تلازم و ترابط نہ ہو اس وقت تک یہ حب رسول بے معنی ہے۔ دراصل یہ تصور بے شمار موضوع و روایات کی بنیاد پر کھڑا کیا گیا ہے اور اللہ کے بھولے بندوں کو بہکاتا ہے۔ گویا طرح طرح کی تصاویر رسول ﷺ امت کے مابین ابھرتی ہیں جس کی بنیاد پر امت تشتت و تردد کا شکار ہے۔ اسی تصویر مختلفہ کے تئیں ایک مسلم دوسرے مسلم کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسے گستاخ رسول قرار دے کر گردن زدنی کے لائق سمجھتا ہے۔ حب رسول کو لے کر ہماری مساجد الگ ہیں۔ ہمارے مدارس میں اختلافات ہیں اور ہمارے قبرستانوں کی شناخت بھی جدا جدا ہے۔ کیا یہ تمام علامتیں ہمارے اتحاد کی ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے ہوئے ہمیں مسلم کہا گیا ہے لیکن انتشار نے ہمیں شیعہ و سنی، دیوبندی، بریلوی، اور مقلد و غیر مقلد کے خانوں میں تقسیم کر دیا، جب کہ اسی انقلاب رسالت کو قرآن کریم نے اس انداز سے بیان کیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (۱۲)

اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس بشارت سے نہ صرف یہود و نصاریٰ بل کہ پوری دنیا کو آگاہ کیا تھا اس کی کئی جہتیں ہیں قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں اسے بیان کیا گیا ہے بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ اسی بشارت کی تائید و توثیق میں اللہ نے قرآن کریم کو نازل کیا تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ قرآن کریم تائید نبوت کا سب سے بڑا معجزہ ہے، بل کہ

کان خلقه القرآن (۱۳)

ہے۔اس کی توضیح سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً (۱۴)

یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں آپ ﷺ کے تین اوصاف بتائے گئے ہیں:

ایک تو آپ کو ''شاہد'' یعنی شہادت دینے والا بتایا گیا ہے۔شہادت وہی دے سکتا ہے جس نے بہ چشم خود کسی چیز کا گہرائی سے مشاہدہ ومطالعہ کیا ہو۔اس کا ایک ایک پہلو اس کی نگاہ میں ہو۔اس کی تمام حرکات وسکنات اس کی ترجیحات وترغیبات اور اس کی ناپسندیدگیاں و بے زاریاں اس کے احاطہ علم وفہم میں ہوں۔گویا آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لوگوں کا نگراں بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ساری رعیت کی نگرانی اور اسے خیر ورشد سے آگاہ کرنا یعنی صراط مستقیم کی جانب ہانک کر لے آنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ تھا۔جس طرح راعی اپنے ریوڑ کے ایک ایک جانور پر نگاہ رکھتا ہے، اسے بھٹکنے نہیں دیتا ہے، اور بار بار گھیر کر ریوڑ میں لاتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے جانے کے بعد یہ فریضۂ شہادت امت کے کاندھوں پر آ گیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (۱۵)

اور اسی طرح ہم نے تم کو عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم لوگوں پر گواہ بن جائیں۔

یہاں شاہد کو مبشر اور نذیر سے پہلے رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ معاملات کے حسن وقبح سے وہی لوگوں کو باخبر کر سکتا ہے جو معاملات کی تہہ میں اترا ہوا ہو، نگراں ہی معاشرتی نزاکتوں کو بتا سکتا ہے کہ کن امور کی بنیاد پر انسان آخری آسائشوں کا حق دار ہوگا اور کن اعمال کی بنیاد پر جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا۔گویا امت کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس پر یہ فریضہ واجب ہے کہ اللہ کے بندوں کی نگرانی کرتا رہے۔اسے اخروی انجام خیر وشر سے خبردار کرتا رہے۔یہ اس بنیاد پر دنیا کی تمام امتوں میں ممتاز ہے اس لیے کہ دعوت الی الخیر اور شہادت علی الناس کی ذمے داریاں اس کی کاندھوں پر ہیں۔لیکن افسوس کہ آج امت کے دعوتی کاموں میں خاصہ اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت

کے اصل منبع ومخرج کو چھوڑ کر اپنے مسالک ومذاہب کی بنیاد پر دعوت اسلام کا کام کیا جارہا ہے۔ گویا اپنے اپنے مسلک اور اپنی اپنی فقہی سوچ کی دعوت دی جارہی ہے۔ اپنی پسندیدہ تفاسیر اور مخصوص فقہی کتب کے علاوہ دیگر تفاسیر وفقہی مصادر ان کے نزدیک قابل اعتنا نہیں۔ یہ بشارت ورسالت دعوتی سطح پر رخنہ اندازی اور فرقہ پرستی کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ اگر ہم اپنے بشیر ونذیر سے جڑے رہتے تو دعوت الی الخیر کے مسئلے پر ٹکڑیوں میں نہ بٹتے۔ اور نہ ہی تصویر رسول ﷺ کو مختلف رنگ دیتے۔ ہماری اسی کج روی سے عام انسان بدکتا ہے کہ کون سا اسلام قبول کرے، اسلام میں داخل ہونے والا کس اسلام میں جائے اسی دینی بگاڑ اور ذہنی انتشار کا نتیجہ ہے کہ ذلت ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ قرآن کریم میں ہماری اس نادانی کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (۱۶)

اور ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

آپ ﷺ تمام انسانیت کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ رسالت کی اس وحدت کو ہم پارہ پارہ نہیں کر سکتے اور نبوت کی تعریف ہم اپنے اپنے انداز سے نہیں کر سکتے، لیکن افسوس کہ امت کے مختلف فرقوں نے اپنے اپنے طریقہ کار سے محسن انسانیت کے مختلف بت تراشے ہیں۔ اس وحدت ورسالت کو جب حضرت عمرؓ نے اپنے انداز سے دیکھا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر قدغن لگائی اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ (۱۷)

محمد صرف رسول ہی ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہوجائے یا یہ شہید ہوجائیں تو تم اسلام سے اپنے ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عن قریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی سوچ پر ضرب لگائی اور ان کے تصور رسالت کی تردید کی گئی

جن کے یہاں رسول ﷺ تقاضائے بشریت سے بالاتر ہیں۔ کفار ومشرکین نے بھی رسالت کی ایک تعریف خود گھڑی تھی۔ قرآن کریم نے اس کی تردید کی:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (۱۸)

اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں آپ ﷺ کی حقیقی تصویر پیش کی گئی۔ اگر کوئی خالق اور اس کے مخلوق کے درمیان قائم شدہ امتیاز اور حد فاصل کو ڈھا دے تو وہ عنداللہ معتوب ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ بشارت کو پرزہ پرزہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ گویا آپ ﷺ کو جو ہدایت دی گئی تھی:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (۱۹)

آپ کہہ دیجیے کہ ایسے نکتہ کی جانب آؤ جو ہم میں اور تم میں یک ساں ہے۔

قرآن کریم کا یہ نکتۂ اتحاد دراصل وحدت رسالت کی بھی ضمانت ہے۔ گویا اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں سے قرآن متقاضی ہے کہ اس Joint Point اور نبوت کی تعریف میں یکجہتی اور یک رخی ہو اور ذات مصطفی ﷺ کو تمام میدانوں مثلاً عبادت، ریاست، معیشت، اور معاشرت ومناکحت میں مقتدی ومنتہا تسلیم کیا جائے۔ بے چوں چرا اطاعتِ رسول کے تئیں سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اپنی پسند وناپسند کو تج دیا جائے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی سیادتِ اعلیٰ کو اس انداز سے بیان کیا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۠ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (۲۰)

اور جو کچھ رسول تم لوگوں کو دیں پس اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکیں پس رک جاؤ۔

یہ ہے آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ، اس سے ذرہ برابر انحراف دراصل دین سے انحراف ہے، ہم کسی اور کے ساتھ اتباع واقتدا کو مشروط نہیں کر سکے۔ ہمارے لیے قائدین مغرب کو رہ نما قرار دینے میں کوئی شرعی جواز نہیں ہے، کیوں کہ ان کی قیادت وسیادت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ منہج نبوت کو قرآن کریم نے اس طرح واضح کیا کہ تمام شکوک وشبہات ناپید

ہو گئے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

یقیناً تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے۔ ہر شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بہ کثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ نے بالکل روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ سیرت طیبہ میں تمام مسائل کا حقیقی حل ہے۔ وہی ہادی برحق ہے اس کے علاوہ تمام آقایان مغرب و مشرق باطل ہیں۔ لیکن تاسف در تاسف کہ ہمارے معاملات مغرب کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ وہی ثالثی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی نے یہودیت کو ہم پر مسلط کیا ہے۔ اسی نے قبلہ اول کے مطالبے پر ہم پر گولیاں چلوائی ہیں۔ عربوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مزید ٹکڑوں میں بانٹنا چاہتا ہے۔ اس نے باوجود مغرب کے ساتھ عربوں کی تمام ہم دردریاں اور وفاداریاں ہیں جب کہ اس کے نزدیک وہ جہادی اور دہشت گرد ہیں۔ قرآن کریم کا نیا نسخہ تیار کرا کے ان ہی کی سرزمین پر وہ بانٹتا ہے لیکن حب جاہ میں ہم اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ ہمیں اپنا دشمن اور ہماری اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے والا نظر نہیں آتا کیوں کہ اسوہ حسنہ سے ہم نے چشم پوشی کر لی ہے اور ودیعت کردہ بشارت شی فراموش کی مانند ہے۔ قرآن کریم میں اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کی ولایت و رفاقت میں قابل اعتبار ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۲۲﴾

تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں آپ ﷺ کی عظمت اور رسالت کی بلندی کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ ﴿۲۳﴾

یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت اتاری ہے یعنی رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف

احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف آئے۔

اس آیت کریمہ کی جناب مرحوم خالد مسعود نے ''حیات نبی امی'' میں انتہائی جامع اور معنوی تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:

ام المومنین حضرت عائشہ کا ایک مشہور قول کتب حدیث میں نقل ہوا ہے کہ جب ان سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: کان خلقہ القرآن یعنی آپ کا اخلاق و کردار تو قرآن ہی سے متشکل ہوا تھا۔ دوسرے الفاظ میں قرآن میں جو کچھ الفاظ میں ادا ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ حضور کی سیرت طیبہ بن جاتی ہے۔ ام المومنین کا یہ قول قرآن سے ماخوذ اور حقیقت پر مبنی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (۲۴)

اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا ہے، یعنی رسول، جو اللہ کی واضح آیات تمہیں سناتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے ان کی تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ذکر، یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا ہے، گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں ہے۔ قرآن پڑھیے تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات، آپ کی بعثت کے کوائف، دعوت دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ اسی لیے یہ بات علمی حلقوں میں مانی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد احادیث صحیحہ اور اولین کتب سیرت کا مطالعہ اس کے مآخذ کی حیثیت سے رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ اس اعتراف کے باوجود عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے جدید سیرت

نگاروں نے ماضی میں لکھی گئی کتب سیرت ہی پر اعتماد کیا ہے۔ جن لوگوں نے قرآن سے استفادہ کیا ہے وہ بالعموم محض آیات کو نقل کر دیتے ہیں، ان سے سیرت نگاری میں مدد نہیں لیتے۔ اس لیے نقل کردہ آیات بے ربط سی نظر آتی ہے۔ (۲۵)

لیکن ہائے افسوس کہ ہماری اپنی نادانی کے سبب مغرب ہمارا آقا بنا ہوا ہے۔ اب ہمارے اندر کا جذبۂ ایمانی اور حوصلہ اسلامی مردہ ہو چکا ہے۔ اسوۂ حسنہ کے تمام تسمے ہمارے دلوں سے ٹوٹ چکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے ہوئے اس رسول خاتم کا نام ''احمد'' بتایا تھا جس کا مفہوم عبرانی میں فارقلیط ہے۔ یعنی ایسا شخص جو سب سے ممتاز اور اپنے صفات میں منفرد ہو۔ اس کی سیادت وقیادت بے مثال ہو۔ وہی لوگوں کا ماویٰ وملجا ہو، سب کی سنتا اور سب کے مسائل کا تشفی بخش جواب دیتا ہو۔ اس کی مثال میں کسی دوسرے کو پیش نہ کیا جا سکے۔ وہ مجموعۂ محاسن اور صحیفۂ معارف ہو، علم ومعرفت میں یکتا ویگانہ ہو، لیکن حیرت تو یہ ہے کہ احمد مختار ومصطفی کی حیثیت ہماری آنکھوں سے دھندلا گئی ہے۔ ہمیں یہ پتا نہیں کہ وہ خاتم النبیین ہے اور یہ آخری نبوت اور حتمی قیادت ہے، اب اس کے بعد ہر طرح کی نبوت اور قیادت مانند سراب ہے۔ گم راہی اور ظلمت وضلالت پر مبنی ہے۔ مومنانہ فراست سے محرومی کے سبب آج ہمارے بے شمار قائدین ہیں۔ ان ہی قائدین نے قادیانیت کو ہوا دیا لیکن یہ اپنی موت خود مر چکی ہے۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اپنی کتاب ''مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن'' (۲۶) میں ان کی مکاریوں کا خوب پردہ فاش کیا ہے۔ پروفیسر مسعود احمد (۲۷) نے بھی اپنی تحریروں میں قادیانیت کے مکروہ چہرے کو پیش کیا اور ختم نبوت کے باب میں قرآن کریم سے دلائل پیش کیے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ اللہ نے ''مقام محمود'' پر آپ ﷺ کو فائز کیا ہے۔ یہ رتبہ ومنصب کسی کو میسر نہیں۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ یہ بلندیٔ قیادت ہم کو نظر نہیں آتی۔ مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں اس کی کیا خوب تشریح کی ہے کہ آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے، فرمایا:

کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالم گیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر

رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی، حتی کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ اُنھیں مظلومیتوں سے فتح وکامرانی پیدا ہوسکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح وکامرانی ہی کی بشارت نہیں دی، کیوں کہ فتح وکامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی، بل کہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت وارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہی، یعنی

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (۲۸)

حسن وکمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہوجائے گی، کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی، محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی بن جائے گی:

ماشئت قل فیه فانت مصدق

فالحب یقضی والمحاسن تشهد

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی، اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی سعی وہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جاسکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پاسکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے، سکندر (Aiexander) کی ساری فتوحات خود اس کے عہد وملک کی ستائش اسے نہ دلاسکیں اور نپولین (Napoleon) کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کرسکیں کہ کورسیکا (Corsica) کی چند غدار باشندوں ہی میں اسی محمود وممدوح بنادیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا محمودیت اسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس میں حسن وکمال ہو، کیوں کہ روحیں عشق کرسکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں، لیکن حسن وکمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کرسکیں۔

غور کرو! جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائش کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے

حصے میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنھوں نے جسم وملک کو نہیں، روح ودل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کی ساتھ امر بھی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۲۹)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کی دن پیش آئے گا جب کہ اللہ کی حمد وثنا کا علم آپ بلند کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے، جو ہستی یہاں محمودِ خلائق ہے۔(۳۰)

گویا احمد سرور کونین کی کیا انفرادیت ہے؟ وہ کن انتہاؤں پر فائز ہیں؟ انھیں کن اخلاق عالیہ سے متصف کیا گیا ہے اور توانائیت وطاقت کے کس مقام بلند پر انھیں رکھا گیا ہے؟ دنیا میں کوئی آپ ﷺ کی ہم سری کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی خصوصیتِ سرمدی کا کوئی دوسرا نمونہ ملنا ناممکن ہے۔ عربوں کی ناسمجھی پر اللہ نے آپ ﷺ کے مقام ومرتبے کی یوں صراحت کی ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ (۳۱)

کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیجی کہ سب آدمیوں کو ڈرائے اور جو ایمان لے آئے ہیں ان کو یہ خوش خبری سنائے کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے بلند رتبہ ہے۔ کافروں نے کہا کہ یہ بلاشبہ صریح جادو ہے۔

اس کے باوجود بھی عربوں کے اندر کسی تبدیلی کا امکان نظر نہیں آیا۔ انھیں اپنی طاقت، اپنے لاؤ لشکر اور اپنی عقل پر ناز تھا، انانیت ان کی سرشت تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی تصویر ان کے ذہنوں میں بگڑی ہوئی ابھرتی، طرح طرح کے نازیبا کلمات آپ ﷺ کے لیے استعمال کرتے۔ شاعر، ساحر اور مجنون کہتے، اقتداء کا خواست گار بتاتے، اپنے آبا واجداد کے راستوں سے منحرف

گردانتے اور بے تکی بڑ لگانے والا تصور کرتے، لیکن ان تمام شدائد وعوائق کے باوجود آپ ﷺ کا انداز بڑا نرم، سبک اور پیار و محبت سے مملو ہوتا۔ طائف میں آپ پر پتھر برسائے گئے، خون میں لت پت ہو گئے، اس کے باوجود بددعائیہ کلمات آپ ﷺ کے منہ سے نہ نکل سکے بل کہ آپ نے فرمایا خدایا! میری قوم کو راہ راست پر لا۔

واقعہ طائف دراصل ایک پیغام ہے کہ ایک داعی کا اپنے مخاطب سے برتاؤ کیسا ہو؟ تمام تر مخالفتوں کے باوجود اس کا طرزِ تخاطب کیسا ہو؟ ایک معلم و مبلغ اپنی تدریس و تبلیغ کو مؤثر کیسے بنائے اور اس میں قوت ترسیل اور لذت اظہار کیسے پیدا کرے؟ مطالعہ سیرت سے یہ تمام چیزیں ملتی ہیں۔ اسی لیے قرآن نے واضح کر دیا کہ سیرت مقدسہ ایک مکمل اور ہمہ تن بے داغ نمونہ ہے۔ عرب ایک اجڈ، الڑھ اور جنگ جو قوم تھی، اس کے باوجود بھی اپنے عجز و انکسار اور حکمت و موعظت نیز اخوت و محبت سے اُنھیں اپنے قابو میں کر لیا۔ ان کی قبائلی حمیت اور قومی تعصب کے سامنے کسی کو گوارا کرنا اُنھیں آتا ہی نہ تھا۔ لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو اس تلقین کے ساتھ مبعوث فرمایا:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ (۳۲)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۃ حسنہ کی ساتھ بلاؤ اور اہل کتاب کے ساتھ الجھومت بہ جز اس کے کہ طرزِ تکلم انتہائی خوب صورت ہو۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے ''دعوتِ دین اور اس کا طریقہ کار'' میں حکمت اور موعظت کی خوب صورت تصویر پیش کی ہے۔ (۳۳) سیرت مطہرہ میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں کہ لہجے میں تندہی، تلخی، طنز یا سب وشتم ہو بل کہ عجز وانکسار اور استدلال واستشہاد ہو اور قرآن کریم سے نافرمان قوموں کی تباہی کا ذکر ہو، ان کے سامنے فرعون جیسے متکبر سے بھی خوش گفتاری اختیار کرنے کا حکم حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، علیہما السلام کو دیا گیا۔ اس خوش کلامی کے لیے **قولاً لیناً** کا لفظ اختیار کیا گیا۔ یعنی راہ تبلیغ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں سے حسین پیرایہ میں گفت گو کی جائے۔ یہی اسلوب رسالت اور رسول اللہ ﷺ کا طرزِ کلام ہے جسے حدیث میں موتیوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مولانا جلیل احسن ندوی نے سفینۂ نجات میں، مولانا محمد فاروق خاں نے کلام نبوت، اور ڈاکٹر محمد نعمان اعظمی ندوی نے تدبر حدیث میں اسلوب رسالت کی حسین تصویر کشی کی ہے۔

گویا عیسوی بشارت کا دوسرا نام الفت ومحبت اور اخلاص وعقیدت ہے۔ اسلام نام ہی صلح و عافیت کا ہے۔ سیرت مصطفی کی حقیقی تعریف ہی دل پذیری اور دل نشینی ہے۔ گویا سیرت پاک کا ہر زاویہ درحقیقت عبرت وموعظت سے عبارت ہے۔ یہی سیرت عالیہ پریشاں حال اور دریوزہ گر ملت اسلامیہ کا پتوار ہے۔ نیز عالم انسانیت کے لیے سفینہ نجات بھی۔ دہشت گردی کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے۔ مغرب اور مشرق کا یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ روز کتنی عمارتیں زمین بوس ہوتی ہیں، کتنی خواتین بیوہ ہوجاتی ہیں، بچوں کی قسمت میں آغوشِ یتیمی اور بے گناہ گھر سے بے گھر ہوتے رہتے ہیں۔ اس عالمِ کرب ودرد میں صرف سیرت پاک ہی ہماری چارہ گر اور دست نگر ہوسکتی ہے۔

اللہ ہمیں اور دنیا کے تمام لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی سیرت سے جڑنے اور اسے سامان زیست بنانے کی توفیق دے۔ (آمین)

حوالے

۱۔ الصف:۶

۲۔ علامہ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی۔ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، طبع جدید ۲۰۰۳ء: ج۱، ص ۱۲۰

۳۔ الاسرا:۹

۴۔ المائدہ:۱۸

۵۔ البقرہ:۱۲۰

۶۔ الانشراح:۴

۷۔ النصر:۲

۸۔ الحدید:۲۷

۹۔ الانبیاء:۱۰۷

۱۰۔ الرحمٰن:۲۷

۱۱۔ آل عمران ۱۴۴

۱۲۔ آل عمران:۱۰۳

۱۳۔ ابن سعد۔ الطبقات: ج۱، ص ۲۷۳

۱۴۔ الفتح:۸

۱۵۔ البقرہ:۱۴۳

۱۶۔ سبا:۲۸

۱۷۔ آل عمران:۱۴۴

۱۸۔ الفرقان:۷

۱۹۔ آل عمران:۳

۲۰۔ الحشر:۷

۲۱۔ الاحزاب:۲۱

۲۲۔ المائدہ:۵۵

۲۳۔ الطلاق:۱۰۔۱۱

۲۴۔ الطلاق: بحوالہ بالا

۲۵۔ حیاتِ رسول امی۔ خالد مسعود، قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۔۱۱

۲۶۔ پروفیسر عبد الرحیم قدوائی۔ مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن، مرتبہ: پروفیسر اختر الواسع۔ البلاغ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء: ۱۲۸ص

۲۷۔ پروفیسر مسعود احمد نے ختم نبوت کے موضوع پر اپنی کتاب ''ختم نبوت کا قرآنی تصور'' میں اچھی بحث کی ہے جو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اپنے مسودہ ''مغربی اور قادیانی افکار کے تعاقب میں'' بھی قابل قدر روشنی ڈالی ہے۔

۲۸۔ الاسرا: ۷۹

۲۹۔ الاحزاب: ۳۳

۳۰۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، پہلی بار، ۱۹۷۰ء: ج ۴، ص ۳۰۶۔۳۰۸

۳۱۔ یونس: ۲

۳۲۔ النحل: ۱۲۵

۳۳۔ امین احسن اصلاحی۔ دعوت دین اور اس کا طریقۂ کار، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، اشاعت چہارم، جولائی ۱۹۷۷ء: ص: ۱۰۴۔۱۱۰